اَللّٰہُ اَکْبَرُ

صرف اللہ ہی بڑا ہے

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللہِ

سیرت
حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ

[illegible]

علامہ سید محمود احمد رضوی

مہتمم مرکزی دارالعلوم حزب الاحناف لاہور

زنبیلِ فقیر

حصہ 24

باہتمام

رائے فقیر محمد نقشبندی، مجددی، سہروردی، قادری، چشتی

فاضل فارسی، بی اے، اسلامیات، ایم کام، فیلو چارٹرڈ اکاؤنٹینٹ

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا سَیِّدِیْ یَارَسُوْلَ اللّٰہ

اَللّٰہُ اَکْبَرُ

صرف اللہ ہی بڑا ہے

مصنف

علامہ سید محمود احمد رضوی رحمۃ اللہ

رائے فقیر محمد

نقشبندی، بریلوی، سہروردی قادری، چشتی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نام کتاب: سیرت حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ

مصنف: علامہ سید محمود احمد رضوی رحمۃ اللہ

صفحات: 32

حسب فرمائش

رائے فقیر محمد

نقشبندی، بریلوی، سہروردی قادری، چشتی

فاضل فارسی، بی اے اسلامیات، ایم کام، فیلو چارٹرڈ اکاؤنٹینٹ

ملنے کا پتہ

رائے ہاؤس نمبر 4-14-B-1 کالج روڈ

محمد علی چوک ٹاؤن شپ لاہور۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شیخ المشائخ مظہر العلوم الخفی والجلی، مخدوم الاولیاء

ابوالحسن علی بن عثمان الہجویری

المعروف

حضرت داتا گنج بخش لاہوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نام و نسب

ابوالحسن کنیت اور علی نام ہے، ہجویری اور جلاب غزنین کے دو گاؤں ہیں، شروع میں ان کا قیام یہیں رہا۔ اس لیے ہجویری اور جلابی کہلائے، آخر زندگی میں لاہور آ کر رہے، اس لیے لاہوری بھی مشہور ہوئے، سال ولادت ۴۰۰ھ بتایا جاتا ہے۔ پورا سلسلۂ نسب یہ ہے، علی بن سید عثمان بن سید علی بن سید عبدالرحمٰن بن شاہ شجاع بن ابوالحسن علی بن حسن اصغر ابن سید زید شہید بن امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

تعلیم

تحصیل علم کی تفصیل کچھ زیادہ معلوم نہیں، کشف المحجوب میں اپنے اساتذہ میں حضرت ابوالعباس بن محمد الاشقانی کا نام لیا ہے، جن کے بارے میں لکھتے ہیں:

''اپنے عہد کے امام یکتا اور اپنے طریق میں یگانہ تھے، علم اصول و فروع میں امام اور معانی میں بلند تھے، بہت سے مشائخ کو دیکھا تھا اور اکابر و اجلۂ اہل تصوف میں تھے، اپنی راہ کو فنا سے تعبیر کرتے تھے، مغلق عبارت ان کے ساتھ مخصوص تھی، جاہلوں کے گروہ نے ان کی عبارت کی تقلید کی، لیکن تقلید میں جو عبارتیں لکھی گئیں، وہ پراگندہ ہوتی تھیں، مجھ کو ان سے بڑا انس تھا، اور وہ میرے ساتھ سچی محبت کرتے

تھے، بعض علوم میں وہ میرے استاد تھے، جب تک میں ان کے پاس رہا، کسی کو ان سے زیادہ شریعت کا احترام کرتے نہ دیکھا، تمام موجودات سے وہ کنارہ کش ہو گئے تھے، امام محقق کے سوا ان کو کسی سے فائدہ نہ پہنچتا تھا، علم اصول میں ان کی عبارت بہت دقیق ہوتی تھی، ان کی طبیعت ہمیشہ دنیا و عقبیٰ سے متنفر رہتی تھی اور برابر شور کرتے کہ اَشْتَهِیْ عَدَمًا لَا وُجُوْدَلَهٗ ''یعنی میں اس عدم کو چاہتا ہوں جس کا وجود نہیں'' اور فارسی میں کہتے، ہر آدمی را بایست محال باشد و مرا نیز بایستنی محال است کہ بہ یقین دانم کہ آں بنا شد۔ اور وہ یہ ہے، کہ خداوند تعالیٰ مجھ کو اس عدم کی طرف لے جائے کہ جہاں عدم کا وجود نہ ہو، مقامات اور کرامات محض حجاب و بلا ہیں، آدمی اپنے حجاب کا عاشق ہو دیدار کی آرزو کی نیستی حجابات کے آرام سے بہتر ہے، صرف حق جلالہٗ کی ہستی ہے کہ اس کے لیے عدم نہیں ہے، اس کے ملک کا کیا نقصان اگر میں نیست ہو جاؤں اور اس نیست کی کوئی ہستی نہ ہو اور یہی صحت فنا کا اصلی قوا ہے، وَاللہ اعلم بالصواب (کشف المحجوب باب دوازدہم قلمی نسخہ دار المصنفین)

حضرت شیخ ابو العباس اشقانی کا ذکر ایک اور جگہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں، کہ ایک روز شیخ کے پاس آیا تو دیکھا کہ یہ کہتے ہیں، ضَرَبَ اللہُ مَثَلاً عَبْدًا مَّمْلُوْکًا لَّا یَقْدِرُ عَلٰی شَیْءٍ، یعنی اللہ نے مملوک غلام کی مثال دی جو کسی چیز پر قدرت نہ رکھتا ہو اور روتے ہیں اور پھر نعرہ لگاتے ہیں، پوچھا کہ اے شیخ یہ کیا حال ہے، تو فرمایا، کہ گیارہ سال سے اس مقام پر ہوں، لیکن آگے نہیں بڑھتا ہوں (ایضاً نیز دیکھو نفحات الانس قلمی نسخہ دار المصنفین)

اپنے ایک اور استاد شیخ ابو جعفر محمد بن المصباح الصید لانی کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''وہ رؤسائے متصوف میں تھے، تحقیق میں ان کی زبان اچھی تھی، حسین بن منصور سے بہت محبت کرتے تھے، میں نے ان کی بعض تصانیف ان ہی سے پڑھیں۔''
(کشف المحجوب)

نفحات الانس میں ہے کہ شیخ ابو جعفر محمد بغداد کے رہنے والے تھے، حضرت جنید ابو العباس کے ہمعصر تھے، مکہ میں مجاوری کرتے، مصر میں وفات پائی، ان کی قبر زقاق مصری

کے پہلو میں ہے۔

شیخ ابو القاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری سے بھی استفادہ کیا، اور گو ان کے نام کے ساتھ ''استاذ'' برابر لکھتے ہیں، لیکن واضح طور پر کہیں یہ ظاہر نہیں کیا ہے کہ ان سے شاگردی کا بھی رشتہ ہے، مگر ان کے علم اور ان کی تصانیف کی تعریف کی ہے اور ان کے ایسے اقوال بھی نقل کیے ہیں جو ان کی زبان سے خود سنے۔

شیخ ابو القاسم بن علی بن عبداللہ الگرگانی کو بھی اپنا معلم تسلیم کیا ہے، ان کو اپنے زمانہ کا قطب اور علم و فن میں بے نظیر اور بے عدیل بتایا ہے، لکھتے ہیں کہ تمام لوگوں کے دلوں کا منہ ان کی درگاہ کی طرف تھا، طلبا ان پر پورا اعتقاد رکھتے، مریدین کے واقعات کے کشف میں وہ ایک آیت کی حیثیت سے تھے، اور اپنا ذاتی واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ میں ایک روز اپنی باطنی کیفیت ان سے بیان کر رہا تھا، تو وہ بڑی عاجزی سے اس کو سن رہے تھے، میں اپنی نوجوانی کے نخوت و غرور میں سوچنے لگا کہ یہ بزرگ ابھی کوچہ معرفت سے نہیں گزرے ہیں، اسی لیے عاجزی دکھا رہے ہیں، انہوں نے میرے دل کی بات معلوم کر لی، اور فرمایا میرے باپ کے دوست! میری یہ عاجزی تیرے لیے ہے، تیرے حال کے لیے نہیں ہے، حال کا بدلنے والا محال کے محل پر آتا ہے، میں یہ سن کر بے تاب ہو گیا، آخر میں رقمطراز ہیں کہ اس کے بعد انہوں نے مجھ کو بہت سے اسرار بتائے، اگر ان کے ظاہر کرنے میں مشغول ہوں، تو اصلی مقصد سے باز رہوں۔

ائمہ متاخرین میں ابو العباس احمد بن محمد القصاب سے بھی متاثر تھے، ان کے متعلق لکھتے ہیں کہ وہ ماوراء النہر میں اپنے علوے حال، صدق فراست، کثرت برہان و کرامت علم تصوف و اصول اور نیک سیرت کے لیے مشہور تھے، وہ اُمی تھے، لیکن اصول دین اور دقائق توحید کو لوگ ان ہی سے معلوم کرتے، ان کی ایک کرامت کا ذکر کر کے ان کے کچھ اقوال بھی نقل کیے ہیں۔

انہوں نے ابو عبداللہ محمد بن علی المعروف بالداستانی، ابو سعید فضل اللہ بن محمد اور ابو احمد بن احمد بن حمد کا ذکر خاص طور سے لطف و لذت کے ساتھ کیا ہے، ان کی تصانیف و تعلیمات سے مستفید ہوئے ہیں، خواجہ ابو احمد المظفر کی تعلیمات فنا و بقا اور مجاہدہ و مشاہدہ سے متاثر تھے اور ان کی صحبت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ایک روز ان کے پاس سخت گرمی کے

موسم میں الجھے ہوئے بالوں کے ساتھ پہنچا، انہوں نے یہ دیکھ کر پوچھا کیا چاہتے ہو، عرض کیا، سماع، انہوں نے فوراً قوال کو بلایا اور جب مجلسِ سماع شروع ہوئی تو مجھ پر بڑی بیقراری طاری رہی، اور جب میرا جوش و خروش ختم ہوا تو پوچھا کہ سماع کا مزہ کیسا رہا، عرض کیا اے شیخ میرے لیے تو بہت اچھا تھا، فرمایا ایک وقت ایسا آئے گا کہ یہ سماع اور کوے کی آواز تمہارے لیے یکساں ہو جائے گی، سماع میں قوت اُس وقت تک ہے، جب تک مشاہدہ نہیں ہوتا اور جب مشاہدہ ہو جائے گا، شوقِ سماع جاتا رہے گا، لیکن خیال رکھو کہ یہ عادت جزِ طبیعت نہ بن جائے۔ (کشف المحجوب قلمی نسخہ دارالمصنفین ذکر ائمہ متاخرین)

تعلیم طریقت

باطنی و روحانی تعلیم ابوالفضل محمد بن الحسن ختلی سے پائی جو جنیدیہ سلسلہ میں منسلک تھے، ان کے حال میں لکھتے ہیں:

"اوتاد کی زینت اور عابدوں کے شیخ تھے، میری ابتدائے طریقت ان ہی سے ہوئی، علم تفسیر و روایات کے عالم تھے اور تصوف میں مذہب جنید کے پابند اور حصری کے مرید تھے، سیروانی کے دوست اور ابوعمر قزوینی اور ابوالحسن بن سالبہ کے معاصر تھے، ساٹھ سال تک گمنامی کی حالت میں گوشہ نشیں ہو کر لوگوں سے دور رہے، قیام زیادہ تر کوہ لگام میں رہتا تھا، اچھی عمر پائی، ان کی ولایت کی بہت سی دلیلیں تھیں، لباس اور آثار ظاہری متصوفین کے نہ تھے، ظاہری رسم کی پابندی کرنے والوں کی مخالفت شدت سے کرتے تھے، ان سے زیادہ کسی کو پُر رعب نہیں دیکھا۔"

وہ حضرت شیخ ابوالحسن علی حصری کے مرید تھے۔ جن کو حضرت شیخ ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے ارادت تھی اور شیخ ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھی، اس طرح شیخ ابوالحسن ہجویری رحمۃ اللہ علیہ جنیدیہ سلسلہ کے بزرگ ہیں، اپنے مرشد کے اوصاف کے سلسلہ میں کہتے ہیں کہ ایک روز میں ان کا ہاتھ دھلا رہا تھا، تو میرے دل میں یہ خیال آیا کہ جب تمام کام تقدیر کے مطابق انجام پاتے ہیں، تو پھر ایک آزاد آدمی اپنے کو کرامت کی امید پر کیوں کسی پیر کا غلام بنائے، مرشد کو میرے دل کی یہ بات معلوم ہو گئی اور انہوں نے فرمایا اے میرے بیٹے جو تم سوچ رہے ہو، وہ مجھ کو معلوم ہو گیا، مان لو کہ

اللہ تعالیٰ کا ہر حکم ایک سبب سے ہوتا ہے، جب وہ چاہتا ہے کہ سپاہی بچہ کو بادشاہت دے تو اس کو توبہ کی توفیق دیتا اور کسی دوست کی خدمت میں مشغول کرتا ہے اور وہ خدمت اس کی کرامت کا سبب بن جاتی ہے، اسی طرح کی اور باتیں روز ظاہر ہوتی رہیں۔

مرشد کا وصال مرید کے زانو ہی پر ہوا تحریر فرماتے ہیں:

"جس روز آپ کی وفات ہوئی، آپ بیت الجن میں تھے، یہ گاؤں ایک گھاٹی پر دمشق اور مابنازر (؟) کے درمیان ہے، اس وقت آپ کا سر میری گود میں تھا میرے دل کو بڑی تکلیف ہو رہی تھی، میں نے اس کا اظہار ایک دوست سے کیا، جیسا کہ عام لوگوں کی عادت ہوتی ہے، آپ نے مجھ سے کہا اے بیٹے! اعتقاد کا مسئلہ تم کو بتاتا ہوں، اگر تم اپنے کو اس کے مطابق درست کر لو تو تمام تکلیفوں سے تم کو رہائی ہو جائے، تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ خدا ہر جگہ اور ہر وقت اچھوں اور بُروں کو پیدا کرتا ہے، مگر اس کے فعل سے دشمنی کرنا نہیں چاہئے اور نہ دل میں کسی تکلیف کو جگہ دینا چاہئے، سوائے اس کے وصیت کا سلسلہ دراز نہیں کیا اور جان بحق ہوئے۔
(کشف المحجوب ذکر ائمہ متاخرین)

سیاحت

روحانی کسب و کمال کے لیے تمام اسلامی ممالک شام، عراق، بغداد، پارس، آستار، آذربائیجان، طبرستان، خوزستان کرمان، خراسان، ماوراءالنہر اور ترکستان وغیرہ کا سفر کیا اور وہاں کے اولیائے عظام اور صوفیائے کرام کی روح پرور صحبتوں سے مستفیض ہوئے، خراسان میں وہ تین سو مشائخ سے ملے، جن میں شیخ محمد زکی بن العلاء، شیخ القاسم سدی، شیخ الشیوخ ابوالحسن ابن سالبہ، شیخ ابو اسحٰق بن شہریار، شیخ ابوالحسن علی بن بکران، شیخ ابوعبداللہ جنیدی، شیخ ابوطاہر مکشوف، شیخ احمد ابن شیخ خرقانی، خواجہ علی بن الحسین السیر کانی، شیخ مجتہد ابو العباس دامغانی، خواجہ ابوجعفر محمد بن علی الجودینی، خواجہ رشید مظفر ابن شیخ ابوسعید، خواجہ شیخ احمد حمادی سرخسی اور شیخ احمد نجار سمرقندی سے خاص طور پر متاثر ہوئے۔

منازلِ سلوک کے طے کرنے میں جو مجاہدے کئے اُن میں ایک عجیب و غریب واقعہ خود ہی بیان کیا ہے، کہ میں ایک مرتبہ شیخ ابویزید رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر تین مہینے تک حاضر

رہا، ہر روز غسل اور وضو کر کے بیٹھتا تھا، مگر وہ کشف حاصل نہ ہوا جو ایک بار وہیں حاصل ہو چکا تھا، آخر میں وہاں سے اٹھ کر خراسان کی طرف چلا گیا، ایک گاؤں میں پہنچا تو ایک خانقاہ میں متصوفین کی ایک جماعت نظر آئی، میں اس جماعت کی نظر میں بہت ہی حقیر معلوم ہوا، ان میں سے کچھ لوگ کہنے لگے کہ یہ ہم میں سے نہیں ہے، اور واقعی میں ان میں سے نہ تھا، انہوں نے مجھ کو ٹھہرنے کے لیے ایک کوٹھا دیا اور وہ خود اونچے کوٹھے پر ٹھہرے، کھانے کے وقت مجھ کو تو سوکھی روٹی دی اور خود اچھا کھانا کھایا، کھانے کے بعد تمسخر سے خربزہ کے چھلکے میرے سر پر پھینکتے تھے، اور طنز کی باتیں کرتے تھے، مگر وہ جتنا زیادہ طنز کرتے تھے، اتنا ہی میرا دل ان سے خوش ہوتا تھا، یہاں تک کہ ذلت اٹھاتے اٹھاتے وہ کشف حاصل ہو گیا، جو اس سے پہلے نہ ہوا تھا، اس وقت مجھ کو معلوم ہوا کہ مشائخ جاہلوں کو اپنے یہاں کیوں جگہ دیتے ہیں۔ (کشف المحجوب باب ششم ذکر ملامت)

ایک اور موقع پر تحریر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ شام میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ موذن کے روضہ کے سرہانے سو رہا تھا کہ خواب دیکھا کہ مکہ معظمہ میں ہوں اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم باب بنی شیبہ سے اندر داخل ہو رہے ہیں اور ایک بوڑھے آدمی کو گود میں لیے ہوئے ہیں، جیسے کوئی کسی بچہ کو لیے ہوئے ہو، میں نے آگے بڑھ کر قدم چومے اور حیران تھا کہ گود میں یہ بوڑھا شخص کون ہے، آپ کو میرے دل کا حال معلوم ہو گیا، اور فرمایا کہ یہ تیرا اور تیرے دیار والوں کا امام ہے، یعنی ابوحنیفہ، اس خواب سے مجھ پر یہ ظاہر ہوا کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ گو جسمانی طور پر فانی ہو چکے ہیں، مگر احکام شرعی کے لیے باقی اور قائم ہیں اور ان کے حامل پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (کشف المحجوب، ذکر امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ)

عراق میں تھے تو خود ان کا قول ہے کہ دنیا حاصل کر کے لٹا رہے تھے، جس کسی کو کوئی ضرورت ہوتی، ان کی طرف رجوع کرتا، ایسے لوگوں کی خواہش پوری کرنے میں مقروض ہو گئے، ایک شیخ نے ان کو لکھ بھیجا کہ اے فرزند! کہیں اس قسم کی مشغولت میں خدا کی مشغولت سے دور نہ ہو جاؤ، اور یہ مشغولیت ہوائے نفس ہے، اگر کوئی ایسا شخص ہو جس کا دل تم سے بہتر ہو، تو ایسے دل کی تم خاطر کر سکتے ہو، تمام لوگوں کے لیے دل پریشان نہ رکھو، کیونکہ اللہ خود ہی اپنے بندوں کے لیے کافی ہے، اس چند موعظت سے ان کو قلبی سکون حاصل ہوا، اور خود اپنی کتاب کشف المحجوب میں بھی اس کی تعلیم دی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں

کہ مخلوق سے قطع تعلق کرنا گویا بلا سے چھوٹ جانا ہے، ایک انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ کسی کی طرف نہ دیکھے تاکہ اس کی طرف بھی کوئی نہ دیکھے۔ (ایضاً فصل تیسری)

مخلوق سے انقطاع تعلق کے باوجود ان کا بیان ہے کہ وہ چالیس سال تک مسلسل سفر میں رہے، لیکن کبھی جماعت کی نماز ناغہ نہیں کی اور ہر جمعہ کو نماز کے لیے کسی قصبہ میں قیام فرمایا۔ (کشف المحجوب میں ذکر صلوٰۃ کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

"وعبادت آنچہ کرد خواہی جز کن و مشائخ رحمہم اللہ حق آداب آں نگہداشتہ اند و مریداں را بداں فرمودہ اند کہ یکے گوید از ایشاں کہ چہل سال سفر کردم ہیچ نماز از جماعت فائت نشد و ہر آدینہ بقصبہ بودم")

خاکسار مولف کا خیال ہے کہ حضرت ہجویری نے ان سطور میں خود اپنی طرف اشارہ کیا ہے۔

اپنے مرشد ہی کی طرح صوفیوں کے ظاہری رسوم سے نفرت کرتے تھے، ان ظاہری رسوم کو معصیت سمجھا کرتے تھے اور ان کی صحبت کو تہمت کا مقام قرار دیتے تھے، چنانچہ اس حدیث (من کان منکم یومن باللہ والیوم الآخر فلا یقفن مواقف التہم) کو لکھ کر خداوند تعالیٰ سے اپنے لیے اسی کی توفیق عطا کرنے کی دعا کی ہے، یعنی جب کوئی اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے تو اس کو مقام تہمت میں کھڑا نہ ہونا چاہیے۔ (ذکر الفرق بین التقاسم والحال)

ازدواجی زندگی

تعلق زناشوئی سے پاک رہے، کشف المحجوب میں لکھتے ہیں کہ ایک سال تک کسی سے غائبانہ عشق رہا، مگر جب اس میں غلو پیدا ہونے لگا اور قریب تھا کہ ان کا دین تباہ ہو جائے، تو اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال لطف سے اس عشق مجازی کے فتنہ سے ان کو بچا لیا۔ (کشف المحجوب کی اصل عبارت بھی ملاحظہ ہو)

"من کہ علی بن عثمان الجلابی ام از پس آنکہ مرا حق تعالیٰ یازدہ سال از آفت تزویج نگاہ داشتہ بود ہم تقدیر کرد تا فتنہ اندر افتادم و ظاہر و باطنم اسیر صفتے باشد کہ با من کردند بے آنکہ رویت بودہ بود ایک سال مستغرق آں بودم، چنانچہ نزدیک بود کہ دین بر من تباہ شود تا حق تعالیٰ بہ کمال لطف و تمام فضل خود عصمت را با استقبال دل

بیچارہ من فرستادند بہ رحمت خلاصی ارزانی داشت۔''

خاک پنجاب ازدم او زندہ گشت — صبح ما از مہر او تابندہ گشت
عاشق وہم قاصد تیار عشق — جینش آشکار اسرار عشق

ان کے مزار کو سلطان مسعود غزنوی کے جانشین سلطان ابراہیم غزنوی نے تعمیر کرایا۔

تصانیف

کشف المحجوب کے علاوہ اُن کی تصنیفات میں حسب ذیل کتابوں کے نام ملتے ہیں:

(۱) منہاج الدین، اس میں اہل صفہ کے مناقب لکھے تھے، بقیہ اور کتابوں کے مضامین ان کے نام سے ظاہر ہیں (۲) کتاب الفناء والبقا (۳) اسرار الخرق والمؤنات (۴) کتاب البیان لاہل العیان (۵) بحر القلوب (۶) الرعایۃ لحقوق اللہ۔

شعر و شاعری سے بھی ذوق رکھتے تھے، کشف المحجوب میں اپنے ایک دیوان کا بھی ذکر کیا ہے، ان کی تحریر سے ان کی دو اور کتابوں کا بھی پتہ چلتا ہے:

''پیش ازیں اندر شرح کلام وے (منصور علاج) کتابے ساختہ ام۔''

''من اندر بیان ایں (ایمان) کتابے کردہ جداگانہ۔''

لیکن ان کتابوں میں سے اب کسی کا بھی پتہ نہیں ہے، ہم تک ان کی صرف کشف المحجوب پہنچی ہے، جو ہر زمانہ میں اپنی نوعیت کے لحاظ سے بے مثل سمجھی گئی ہے، فارسی زبان میں تصوف کی یہ پہلی کتاب ہے حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ جس کا کوئی مرشد نہ ہو اس کو کشف المحجوب کے مطالعہ کی برکت سے مل جائے گا۔ (دررِ نظامی مرتبہ شیخ علی محمود جاندار نسخہ قلمی مملوکہ سید علیم الدین خادم نظام المشائخ دہلی) میں نے اس کو مخدومی المحترم جناب عبدالماجد صاحب دریابادی کی کتاب تصوف اسلام سے لیا ہے۔ جنہوں نے کشف المحجوب اور اس کے مصنف پر ایک سیر حاصل مقالہ لکھا ہے)

حضرت شرف الدین یحییٰ منیری اپنے مکتوبات میں جابجا اس کتاب کا ذکر فرماتے ہیں، حضرت جہانگیر اشرف سمنانی کے ملفوظات لطائف اشرفی میں اس کا حوالہ بکثرت موجود ہے، ملا جامی رقمطراز ہیں:

''کشف المحجوب از کتب معتبرہ مشہور دریں فن است ولطائف وحقائق دراں

کتاب جمع کردہ است۔'' (نفحات الانس قلمی نسخہ دار المصنفین)

دارا شکوہ لکھتا ہے:

''حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ را تصنیف بسیار است، کشف المحجوب مشہور و معروف است و ہیچ کس را برآں سخن نیست، و مرشدی است کامل، در کتب تصوف بخوبی آں در زبان فارسی کتابے تصنیف نہ شدہ۔'' (سفینۃ الاولیاء، ص: ۲۸۲)

کشف المحجوب کی تصنیف کا سبب ابوسعید ہجویری کا ایک استفسار ہے، جو تصوف کے رموز و اشارات کو حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ سے سمجھنا چاہتے ہیں، اسی کے جواب میں شیخ نے تصوف کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے، جس سے کشف المحجوب تصوف کی قابل قدر کتاب بن گئی ہے، اس کے ذریعہ گویا پہلی مرتبہ اسلامی تصوف کو ہندوستان میں پیش کیا گیا ہے اس لیے اس کے مباحث ناظرین کے سامنے زیادہ تفصیل سے پیش کیے جاتے ہیں۔

علم

کتاب کا پہلا باب علم کی بحث سے شروع ہوتا ہے، اس باب میں پانچ فصلیں ہیں شروع میں کلام مجید اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں علم کی اہمیت دکھا کر یہ بتایا ہے کہ علم ہی کے ذریعے ایک سالک مراتب اور درجات کے حصول کے قابل ہوتا ہے، اور یہ اسی وقت ممکن ہے، جب وہ اپنے علم پر بھی عمل کرتا ہو، پھر علم کی دو قسمیں بتائی ہیں (۱) علم خداوند تعالیٰ (۲) علم خلق، اور ان کی تصریح اس طرح کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم کے نزدیک اس کے بندوں کا علم ایسا ہونا چاہئے، کہ ظاہر و باطن میں نفع بخش ہو، اس کی دو قسمیں ہیں (۱) ایک اصولی یعنی ظاہر میں کلمہ شہادت پڑھنا اور باطن میں معرفت کی تحقیق کرنا (۲) فروعی یعنی ظاہر میں معاملہ کرنا اور باطن میں اس کے لیے صحیح نیت رکھنا۔

حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ظاہر بغیر باطن کے منافقت ہے اور باطن بغیر ظاہر کے زندقہ، علم باطن حقیقت اور علم ظاہر شریعت ہے، علم حقیقت کے تین ارکان ہیں، (۱) خداوند تعالیٰ کی ذات کا علم یعنی وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا وہ نہ کسی مکان میں ہے نہ جہت میں، اس کا کوئی مثل نہیں (۲) خداوند تعالیٰ کے صفات کا علم، یعنی وہ عالم ہے، اور ہر چیز کو جانتا ہے، دیکھتا ہے اور سنتا ہے (۳) خداوند تعالیٰ کے افعال کا علم، وہ تمام مخلائق کا پیدا

کرنے والا ہے۔

علم شریعت کے بھی تین ارکان ہیں (۱) کتاب (۲) سنت (۳) اجماع امت۔

پہلا گویا خدا کا علم ہے، اور دوسرا خدا کی طرف سے بندہ کو عطا کیا ہوا علم۔ حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے صوفیائے کرام کے اقوال اور اپنے دلائل سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، کہ جس شخص کو خدا کا علم یعنی علم حقیقت نہیں، اس کا دل جہالت کے سبب سے مردہ ہے اور جس شخص کو اس کا عنایت کیا ہوا یعنی علم شریعت نہیں، اس کا دل نادانی کے مرض میں گرفتار ہے۔ شیخ نے دونوں علموں کو لازم و ملزوم قرار دیا ہے اور حضرت ابوبکر وراق ترمذی کے اس قول کی تائید کی ہے کہ جس شخص نے صرف علم توحید پر اکتفا کی وہ زندیق ہے۔

فقر

دوسرا باب فقر سے شروع ہوتا ہے، اس میں تین فصلیں ہیں۔

پہلی فصل میں کلام مجید اور احادیث کی روشنی میں دکھایا ہے کہ فقر کا مرتبہ خدا کے نزدیک، بہت بڑا اور افضل ہے اور فقیر کی تعریف یہ ہے کہ اس کے پاس کچھ نہ ہو، اور اس کی کسی چیز میں خلل نہ آئے، نہ دنیاوی سازوسامان ہونے سے مال دار ہو جائے اور نہ اس کے نہ ہونے سے محتاج ہو جائے، یعنی اس کا ہونا اور نہ ہونا اس کے نزدیک برابر ہو، بلکہ نہ ہونے سے اور بھی زیادہ خوش ہو، کیونکہ فقیر جتنا تنگ دست ہوگا، اسی قدر اس پر حال زیادہ کشادہ ہوگا، اور اسرار منکشف ہوں گے۔ وہ جس قدر دنیا کے مال و متاع سے بے نیاز ہوتا جاتا ہے، اتنا ہی اس کی زندگی الطاف خفی اور اسرار روشن سے وابستہ ہوتی جاتی ہے اور رضائے الٰہی کی خاطر وہ دنیا کی تمام چیزوں کو نظر انداز کر دیتا ہے، ایک فقیر کا کمال فقر یہ ہے کہ اگر دونوں جہان اس کے فقر کے ترازو کے پلڑے میں رکھے جائیں تو وہ ایک مچھر کے پر کے برابر بھی نہ ہوں اور اس کی ایک سانس دونوں عالم میں نہ سمائے۔

دوسری فصل میں صوفیانہ نقطہ نظر سے فقر و غنا پر بحث کی ہے، بعض صوفیائے کرام کا خیال ہے کہ غنا فقر سے افضل ہے، ان کی دلیل خود غنا خداوند تعالیٰ کی صفت ہے، فقر کی نسبت اس کی جانب جائز نہیں، اور دوستی میں ایسی صفت جو خدا اور بندہ کے درمیان مشترک ہو ضرور پائی جائے گی اور یہ اس صفت یعنی فقر سے بہتر ہے، جس کو خداوند تعالیٰ کی جانب

منسوب کرنا روا نہیں۔

حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس منطقیانہ دلیل کو منطقیانہ دلائل ہی سے رد کیا ہے، مثلاً خدا کی صفات میں مماثلت کی کوشش آپس میں برابر ہونے کی دلیل ہے، مگر خدا تعالیٰ کی صفت قدیم ہے اور خلق کی صفت حادث ہے، اس لیے دونوں میں مماثلت ممکن نہیں، غنی خدا کے منجملہ ناموں کے ایک نام ہے، یہ اسی کے لیے زیبا ہے، بندہ اس نام کا مستحق نہیں ہو سکتا، بندہ کے غنا کا کوئی سبب ہوتا ہے، مگر خدا کا غنا سبب سے بے نیاز ہے، خلق کے غنا میں حدوث و تغیرات ہوتے ہیں، خالق کا غنا اس سے ماوراء ہے، اس کی قدرت کا کوئی مانع نہیں، وجود بشری کو حاجت لازمی ہے، کیونکہ حدوث کی علامت احتیاج ہے، اور جب احتیاج پیدا ہوتی ہے تو پھر غنا کیونکر باقی رہ سکتا ہے؟ اس تشریح و تفصیل کے بعد حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے غنا، کو اللہ تبارک و تعالیٰ کی صفت قرار دیا ہے، جو ایک بندہ کے لیے کسی طرح سزاوار نہیں۔

مگر حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بندہ کا غنی ہونا محال نہیں، الغنی من اغناہ اللہ یعنی غنی وہ ہے جس کو خدا غنی کر دے، اس لیے غنی باللہ فاعل ہے، اور ''من اغناہ اللہ مفعول ہے۔'' فاعل بذات خود قائم ہے اور مفعول فاعل کی وجہ سے قائم ہوتا ہے، اگر بندہ غنا سے سرفراز کیا جاتا ہے تو یہ اس کے لیے نعمت ضرور ہے، مگر اس نعمت میں، غفلت اسی طرح آفت ہے، جس طرح فقر میں حرص، اس لیے بندہ اگر غنی ہے، تو اس کو غافل نہ ہونا چاہیے، اور اگر فقر رکھتا ہو تو اس کو حریص نہ ہونا چاہیے حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک غنا میں دل کے غیر سے مشغول رہنے کا احتمال باقی رہتا ہے اور فقر میں دل اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز سے جدا رہتا ہے، اس لیے فقر غنا سے بہتر ہے اور جب ایک طالب خدا کے سوا دنیا کی تمام چیزوں سے مستغنی ہو جاتا ہے، تو فقر و غنا کے دونوں نام اس کے لیے بے معنی ہو جاتے ہیں۔

تیسری فصل میں فقر اور فقیر سے متعلق مشائخ عظام کے جو اقوال ہیں ان کی تشریح اور تفصیل کی ہے، مثلاً حضرت رویم بن محمد فرماتے ہیں کہ فقیر کی تعریف یہ ہے کہ اپنے بھیدوں کو محفوظ رکھے اور اس کا نفس آفت سے مصئون ہو اور وہ فرائض کا پابند ہو، شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تشریح یہ کی ہے کہ جو کچھ فقیر کے دل پر گزرے اس کو ظاہر نہ کرے اور جس

کا ظہور ہو جائے اس کو چھپائے نہیں اور نہ اسرار کو غالب ہونے سے ایسا مغلوب ہو جائے کہ شریعت کے احکام ادا نہ کر سکے، یا مثلاً حضرت ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فقیر کی صفت یہ ہے کہ نہ ہونے کی صورت میں سکوت کرے اور ہونے کے وقت خرچ کرے اور خرچ کے لیے بے چین ہو، حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے دو طرح سے اس کی تفسیر کی ہے، ایک یہ کہ نہ ہونے کے وقت سکوت گویا خداوند تعالیٰ کی رضا کی دلیل ہے اور اگر اس کے پاس کچھ ہو گیا تو گویا اس کو خداوند تعالیٰ کی جانب سے خلعت عطا ہوا مگر خلعت فرقت کی نشانی ہے کیونکہ محب خلعت قبول نہیں کرتا، اس لیے جو کچھ فقیر کو ملتا ہے، اس کو وہ دوسروں کو دے کر جلد اپنے سے جدا کر دیتا ہے، دوسری تفسیر یہ کی ہے کہ فقیر کو سکون اسی وقت حاصل ہوتا ہے کہ جب وہ کسی چیز کا منتظر نہیں رہتا اور جب کوئی چیز حاصل ہو جاتی ہے تو وہ اس کو اپنے سے غیر پاتا ہے، اور غیر کے ساتھ اس کو آرام نہیں ملتا، اس لیے اس کو ترک کر دیتا ہے۔

صوفی کی اصلیت

تیسرے باب میں صوفی کی اصلیت سے محققانہ بحث کی ہے، اس میں بھی تین فصلیں ہیں۔

لفظ صوفی کی اصلیت ہمیشہ سے مختلف فیہ رہی ہے، ایک گروہ کہتا ہے کہ صوفی صوف کا کپڑا پہنتا ہے، اس لیے اس نام سے منسوب ہوا، دوسرا گروہ کہتا ہے کہ وہ صوف اول میں رہتا ہے، اس لیے اس نام سے پکارا جاتا ہے، تیسرے کا خیال ہے کہ صوفی اس وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ اصحاب صفہ کے ساتھ دوستی رکھتا ہے، اور چوتھے کی رائے یہ ہے کہ یہ اسم صفا سے مشتق ہے، اسی طرح اور توجیہات ہیں مگر حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے ان میں سے ہر ایک کو غلط قرار دیا ہے، فرماتے ہیں کہ صوفی کو صوفی اس لیے کہتے ہیں کہ وہ اپنے اخلاق و معاملات کو مہذب کر لیتا ہے، اور طبیعت آفتوں سے پاک و صاف ہو جاتا ہے، اور حقیقت میں صوفی وہ ہے جس کا دل کدورت سے پاک و صاف ہو، کیونکہ تصوف باب تفعل سے ہے، جس کا خاصہ تکلف ہے، یعنی صوفی اپنے نفس پر تکلیف اٹھاتا ہے اور یہی تصوف کے اصلی معنی ہیں۔

اہل تصوف کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) صوفی جو اپنی ذات کو فنا کر کے خدا کی ذات میں بقا حاصل کرتا ہے اور اپنی طبیعت سے آزاد ہو کر حقیقت کی طرف متوجہ ہوتا ہے (۲) متصوف جو صوفی کے درجہ کو مجاہدہ سے تلاش کرتا ہے اور اس تلاش میں اپنی ذات کی اصلاح کرتا ہے (۳) متصوف: جو شخص مال و منال اور جاہ و حشمت کے لیے اپنے کو مثل صوفی کے بنا لیتا ہے۔

پس صوفی صاحب وصول (یعنی وصل حاصل کرنے والا) اور تصوف صاحب وصول (یعنی صوفی کے اصول پر چلنے والا) اور متصوف صاحب فضول ہوتا ہے۔

دوسری فصل میں حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے مشائخ کبار کے اقوال نقل کئے ہیں، جن سے ان کے مذکورہ بالا خیالات کی تائید ہوتی ہے، مثلاً حضرت حسن نوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تصوف تمام حظوظ نفسانی کے ترک کرنے کا نام ہے، اور صوفی وہ لوگ ہیں جن کا دل بشریت کی کدورت سے آزاد ہو گیا ہو، اور نفسانی آفتوں سے صاف ہو کر اخلاص سے مل گیا ہو، یہاں تک کہ غیر خدا سے بری ہو کر وصف اول اور درجۂ اولیٰ میں پہنچ جاتے ہیں۔

حضرت حصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ تصوف دل اور بھید کی صفائی اور کدورت کی مخالفت کا نام ہے، حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تصریح یہ کی ہے، کہ فقیر اپنے دل کو خدا کی مخالفت کے میل سے پاک رکھتا ہے، کیونکہ دوستی میں صرف موافقت ہوتی ہے اور موافقت مخالف کی ضد ہے اور جب مراد ایک ہوتی ہے تو مخالفت نہیں ہوتی ہے، اس لیے دوست کو دوست کے حکم کی تعمیل کے سوا اور کچھ نہیں چاہئے۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ صوفی وہ ہے کہ دونوں جہان میں خدائے عز و جل کے یہاں کوئی چیز نہ دیکھے، حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تشریح کر کے بتایا ہے کہ بندہ جب غیر کو نہ دیکھے گا تو اپنی ذات کو نہ دیکھے گا، اسی طرح اپنی ذات کی نفی اور اثبات سے فارغ ہو جائے گا۔

تصوف

اس بحث میں حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کی تائید کی ہے کہ تصوف کی بنیاد آٹھ خصلتوں پر ہے، جن سے آٹھ پیغمبروں کی پیروی

ہوتی ہے، یعنی تصوف میں سخاوت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہو، رضا حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی ہو، صبر حضرت ایوب علیہ السلام کا ہو، اشارات حضرت زکریا علیہ السلام کے ہوں، غربت حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ہو، سیاحت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ہو، لباس حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہو اور فقر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہو۔

تیسری فصل میں حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے مباحث کا خلاصہ یہ ہے کہ تصوف محض علوم و رسوم کا نام نہیں، بلکہ یہ ایک اخلاص و اخلاق کا نام ہے۔ علوم ہوتا تو تعلیم سے حاصل ہوتا، رسوم ہوتا تو مجاہدہ سے حاصل ہوتا، مگر یہ نہ تعلیم سے حاصل ہوتا ہے اور نہ صرف مجاہدہ سے۔ اس اخلاق کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) خدا کے احکام کو ریا سے پاک ہو کر پورا کرنا (۲) بڑوں کی عزت کرنا اور چھوٹوں کے ساتھ عزت سے پیش آنا اور کسی سے انصاف اور عوض نہ چاہنا (۳) نفسانی خواہشوں کا اتباع نہ کرنا۔

صوفی کا لباس

چوتھے باب میں صوفیوں کے لباس پر تین فصلوں میں بحث کی ہے۔ صوفی سنت رسول کی پیروی میں کمبل یا گدڑی لباس کے طور پر استعمال کرتا ہے، جو اس کے فقر و ریاضت کی دلیل ہے۔ مگر گدڑی پہننے کے لیے شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے بہت سی شرطیں مقرر کی ہیں۔ گدڑی پہننے والوں کو تارک الدنیا یا اللہ کا عاشق ہونا چاہیے۔ اس کے باوجود خود گدڑی اسی وقت پہن سکتا ہے، جب اس کو مشائخ پہنائیں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ جو تحر اللہ کر اول اللہ کرے ایک سال خلق کی خدمت اور ایک سال خدا کی خدمت لیں، اور ایک سال اس کے دل کی رعایت حاصل کریں۔ خلق کی خدمت یہ ہے کہ وہ سب کو بلا تمیز اپنے سے بہتر جانتا ہو اور اس کی خدمت اپنے لیے واجب سمجھتا ہو، مگر اپنی خدمت کی فضیلت کا گمان مطلق نہ کرتا ہو۔ خدا کی خدمت یہ ہے کہ دنیا اور عقبیٰ کے حرص ترک کر دیتا ہو، اور جو کام کرتا ہو صرف خدا کی خاطر کرتا ہو۔ دل کی رعایت یہ ہے کہ اس میں ہمت ہو، اس سے تمام غم دور ہوں، اور وہ صرف اللہ کی طرف متوجہ ہو۔ جب یہ تینوں شرطیں پوری ہو جائیں تو شیخ اپنے مرید کو گدڑی پہنا سکتا ہے۔ گدڑی پہننا گویا کفن کا پہننا ہے، جس کے بعد زندگی کی تمام لذتوں اور آسائشوں سے

کنارہ کش ہو کر صرف خدا کا ہو کر رہنا پڑتا ہے۔

ملامت

چھٹا باب ملامت پر ہے، حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے خلق کی ملامت کو خدا کے دوستوں کی غذا کہا ہے، اور اس کی تین قسمیں بتائی ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ ایک شخص اپنے معاملات و عبادات میں درست ہو، پھر بھی خلق اس کو ملامت کرتی ہو، لیکن وہ اس کی مطلق پروانہ کرتا ہو، مثلاً ابو طاہر حرمی ایک بار بازار میں جا رہے تھے، ایک شخص نے ان سے کہا "اے پیر زندیق، کہاں جاتا ہے"، ان کے ایک مرید نے اس سے جھگڑا کرنا چاہا، مگر انہوں نے روک دیا اور جب گھر آئے تو مرید کو بہت سے خطوط دکھائے، جن میں ان کو کسی میں شیخ ذکی، کسی میں شیخ زاہد، کسی میں شیخ الاسلام اور کسی میں شیخ الحرمین کہہ کر مخاطب کیا گیا تھا، اور فرمایا کہ ہر شخص اپنے اعتقاد کے مطابق جو چاہتا ہے، مجھ کو کہتا ہے مگر یہ سب اسم نہیں ہیں، القاب ہیں، کوئی مجھ کو زندیق کہے تو اس کے لیے جھگڑا کیوں کیا جائے۔

(۲) دوسری یہ کہ وہ دنیا کی جاہ و حشمت سے منہ موڑ کر خدا کی جانب مشغول ہو اور خلق کی ملامت کو روا رکھتا ہو کہ دنیا کی طرف مائل نہ ہونے پائے، مثلاً ابو یزید رمضان کے مہینے میں سفر حجاز سے اپنے شہر میں واپس آئے، تو لوگوں نے بہت اعزاز و اکرام سے ان کا استقبال کیا، اس خیر مقدم میں وہ خدا کی یاد سے غافل ہو گئے، انہوں نے اسی وقت اپنی آستین سے ٹکیہ نکال کر کھانا شروع کر دیا۔ لوگوں نے ان کو ٹکیہ کھاتے دیکھا تو ان کو ملامت کرنے لگے اور ان سے برگشتہ ہو گئے، ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ نے قصداً ایسا کیا تا کہ وہ دنیا اور دنیا والوں کی طرف متوجہ نہ ہونے پائیں۔

(۳) تیسری یہ کہ وہ ضلالت اور گمراہی میں مبتلا ہو اور اس سے خلق کی ملامت کے ڈر سے باز آنا محض نفاق اور ریاکاری سمجھتا ہو، یہاں تک کہ شریعت کو بھی ترک کر دیتا ہو، جو شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صحیح نہیں۔

حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول کی تائید کی ہے کہ ملامت عاشقوں کے لیے ایک تر و تازہ باغ، دوستوں کے لیے مایہ تفریح، مشتاقوں کے لیے راحت اور مریدوں

کے لیے سرور ہے، حضرت ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ آپ کبھی اپنی مراد کو بھی پہنچے تو انہوں نے کہا کہ ہاں دو بار، ایک مرتبہ میں کشتی میں بیٹھا ہوا تھا، مجھ کو کسی نے نہیں پہچانا، اس وقت میں پرانے اور پھٹے کپڑے پہنے ہوئے تھا، سر کے بال بڑھے ہوئے تھے، میری حالت دیکھ کر کشتی والے مجھ پر ہنستے تھے، جو شخص آتا میرے سر کے بال پکڑ کر کھینچتا، اور تمسخر کرتا، اس وقت میری مراد حاصل ہو رہی تھی، اور میں اس لباس میں خوش ہو رہا تھا، مگر ایک روز یہ خوشی ختم ہوگئی، کیونکہ اس روز ایک مسخرہ اٹھا اور اس نے میرے اوپر پیشاب کر دیا اور مجھ کو وہ لباس اتارنا پڑا، دوسری بار میری مراد اس طرح پوری ہوئی کہ ایک روز سخت بارش ہو رہی تھی، جاڑے کا زمانہ تھا، ایک گاؤں میں پہنچا، میرا جبہ بھیگ گیا تھا، ایک مسجد میں گیا، وہاں کسی نے مجھ کو ٹھہرنے نہیں دیا، سردی سے پریشان ہو کر میں ایک حمام کی بھٹی میں گھس گیا، اور دامن سمیٹ کر آگ کی طرف بیٹھ گیا، اس کے دھوئیں سے میرے کپڑے اور میرا منہ کالا ہوگیا، اس وقت میں اپنی مراد کو پہنچا۔

آگے سات بابوں میں صوفیانہ نقطۂ نظر سے صحابۂ عظام، اہل بیت، اہل الصفہ، تبع تابعین ائمہ اور صوفیائے متاخرین کا ذکر ہے۔

چودھواں باب نہایت اہم ہے، اس میں صوفیوں کے مختلف فرقوں کے عقائد پر ناقدانہ اور محققانہ مباحث ہیں، تفصیل غالباً نامناسب نہ ہوگی۔

رضا

پہلا فرقہ محاسبیہ ہے، جو عبداللہ بن حارث بن اسد المحاسبی کی جانب منسوب ہے، حارث محاسبی کا عقیدہ تھا کہ رضا مقامات میں سے نہیں، بلکہ احوال میں سے ہے، حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے رضا اور مقامات کی تشریح کر کے حارث کی مدافعت کی ہے اور رضا کی دو قسمیں بتائی ہیں۔ (۱) خداوند تعالیٰ کی رضا بندہ سے (۲) بندہ کی رضا خداوند تعالیٰ سے۔

بندہ سے خداوند تعالیٰ کی رضا یہ ہے کہ وہ ان کو ثواب، نعمت اور بزرگی عطا کرتا ہے، اور خداوند تعالیٰ سے بندوں کی رضا یہ ہے کہ وہ اس کے احکام کی تعمیل کریں، خداوند تعالیٰ اپنے احکام میں یا تو کسی چیز سے منع کرتا ہے، یا عطا کرنے کا وعدہ کرتا ہے، مگر اس کے احکام کے ماننے والے اس کے خوف و ہیبت میں ایسی ہی لذت محسوس کرتے ہیں، جیسی اس کے

لطف و کرم سے حظ اٹھاتے ہیں، اس کا جلال اور جمال ان کی نظروں میں یکساں ہے اور وہ محض اس لیے کہ وہ اپنے اختیارات کو سلب کر لیتے ہیں، جس کے بعد ان کا دل غیر کے اندیشہ سے نجات پا کر تمام غم و الم سے آزاد ہو جاتا ہے۔

اصحاب رضا چار قسم کے ہوتے ہیں، ایک خداوند تعالیٰ کی عطا (خواہ وہ کیسی ہی ہو) پر راضی رہتے ہیں، یہ معرفت ہے، دوسرے اس کی نعمتوں (دنیاوی) پر راضی ہوتے ہیں، وہ دنیا والے ہیں، تیسرے مصیبت پر راضی رہتے ہیں، یہ رنج ہے، چوتھے احوال و مقامات کی قید سے نکل کر صرف خداوند تعالیٰ کی خوشی پر رہتے ہیں، یہ محبت ہے۔

دوسرا گروہ قصاریہ کا ہے، اس کے پیشوا ابو صالح بن حمدون بن احمد بن عمارۃ القصار ہیں، جو خلق کی ملامت کو تزکیۂ نفس کے لیے ضروری سمجھتے ہیں، ملامت پر بحث چھٹے باب میں گزر چکی ہے، اس لیے حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اس موقع پر اس مسلک پر تفصیل کے ساتھ روشنی نہیں ڈالی ہے۔

سکر و صحو

اس کے بعد گروہ طیفوریہ اور گروہ جنیدیہ کا ذکر ہے، اوّل الذکر کے پیشوا ابو یزید طیفور بن سروشان البسطامی اور موخر الذکر کے امام ابوالقاسم الجنید یہ بن محمد ہیں، پہلے گروہ کا عقیدہ سکر اور دوسرے کا صحو پر مبنی ہے، اس سلسلہ میں حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا ہے کہ سکر اور صحو کیا ہیں، سکر حق تعالیٰ کی محبت کا غلبہ ہے، ایک سالک جب محبوب کے جمال کو دیکھتا ہے، تو اس کی عقل عشق سے مغلوب ہو جاتی ہے اور غایت بے خودی میں اس کا ادراک اور ہوش باقی نہیں رہتا، اس پر محویت اور فنا کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، صحو محویت کے بعد حصول مراد کا نام ہے، جس میں جمال محبوب کے مشاہدہ سے حیرت اور وحشت باقی نہیں رہتی، صحو میں غفلت سے حجاب پیدا ہوتا ہے، لیکن جب یہی غفلت محبت بن جاتی ہے اور تو وہ کشف ہے، صحو غفلت کے قریب ہو تو سکر ہے اور سکر محبت کے قریب ہو تو صحو ہے، جب دونوں کی اصل صحیح ہو تو سکر صحو اور صحو سکر ہے، اس جزوی اختلاف کے باوجود دونوں ایک دوسرے کی علت و معلول ہیں، لیکن جب دونوں کی اصل صحیح نہ ہو، تو دونوں بے فائدہ ہیں، حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ خود جنیدی مسلک کے پابند تھے، اور صحو کو سکر پر فوقیت دیتے

تھے، لکھتے ہیں کہ مقام صحو مردوں کی جائے فنا ہے۔

عزلت نشینی

پانچواں گروہ نوریہ کا ہے، جس کے پیشوا ابن الحسن بن نوری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، وہ درویشوں کی عزلت گزینی کو ایک نامحمود فعل سمجھتے ہیں، اور صحبت کو ضروری قرار دیتے ہیں اور اصحاب صحبت کے لیے ایثار وکلفت برداشت کرنے کو بھی ضروری سمجھتے ہیں، ورنہ اس کے بغیر صحبت حرام ہے اور اگر صحبت کے رکی ایثار رنج وکلفت کے ساتھ محبت بھی شامل ہو تو یہ اور زیادہ اولی ہے، حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے فرقہ نوریہ کے اس مسلک کو پسندیدہ کہا ہے۔

مجاہدہ و ریاضت

(۶) سہلیہ: اس کے امام حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کی تعلیم اجتہاد (جدوجہد، مشقت) مجاہدۂ نفس اور ریاضت ہے، اجتہاد، مجاہدہ اور ریاضت کی غرض نفس کی مخالفت ہے، اس لیے حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے نفس کی تشریح واضح طور سے کی ہے۔

فرماتے ہیں کہ نفس کی مخالفت تمام عبادتوں کا سرچشمہ ہے، نفس کو نہ پہچاننا اپنے کو نہ پہچاننا ہے، جو شخص اپنے کو نہیں پہچانتا، وہ خدا کو نہیں پہچان سکتا، نفس کا فنا ہو جانا حق کے بقا کی علامت ہے اور نفس کی پیروی حق عزوجل کی مخالفت ہے، نفس جبر کرنا یعنی نفسانی خواہشوں کو روکنا جہاد اکبر ہے، حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں بڑا غلو فرمایا ہے، وہ نفس کے مجاہدہ کو مشاہدہ کی علت قرار دیتے ہیں، سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ کے اس مسلک سے بعض گروہوں کو اختلاف ہے، ان کا خیال ہے کہ مشاہدہ محض عنایت ایزدی پر منحصر ہے، مجاہدہ وصل حق کی علت نہیں ہو سکتا، ممکن ہے ایک شخص حجرہ کے اندر عبادت میں مشغول ہو، پھر بھی حق سے دور ہو اور ایک شخص خرابات میں رہتا ہو، گنہگار ہو، اور اسے قرب خداوندی حاصل ہو، حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اس اختلاف کو محض الفاظ اور تعبیر کا اختلاف قرار دیا ہے، کہ ایک شخص مجاہدہ کرتا ہے، تو اس کو مشاہدہ حاصل ہوتا ہے، دوسرا مشاہدہ کرتا ہے کہ مجاہدہ حاصل ہو، مشاہدہ کے بغیر مجاہدہ نہیں اور مجاہدہ کے بغیر مشاہدہ نہیں، اس رائے کے باوجود حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ مجاہدہ کو مشاہدہ کی علت قرار نہیں دیتے، بلکہ اس کو وصل حق کا طریقہ اور ذریعہ سمجھتے ہیں۔

نفس کے بعد ہوا یعنی نفس کی خواہشوں کا ذکر ہے، اس میں بتایا گیا ہے کہ بندہ دو چیزوں کا تابع رہتا ہے، ایک عقل کا، دوسرے نفس کی خواہشوں کا، جو عقل کا تبع ہوتا ہے، وہ ایمان کی طرف جاتا ہے اور جو ہوا کی پیروی کرتا ہے، وہ کفر، گمراہی اور ضلالت کی طرف مائل ہے، حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ وصل حق کیا چیز ہے، فرمایا "ہوا کا ترک کرنا" حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کی تائید کی ہے اور کہا ہے کہ سب سے بڑی عبادت ہوا کا ترک کرنا ہے، گو اس کا ترک کرنا ناخن سے پہاڑ کھودنے سے بھی زیادہ مشکل ہے۔

حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے ہوا کی دو قسمیں بتائی ہیں (۱) لذت اور شہوت (۲) جاہ طلبی، اول الذکر کر کے فتنہ سے خلق محفوظ رہتی ہے لیکن مؤخر الذکر سے خلق کے درمیان فتنہ پیدا ہوتا ہے، خصوصاً جب یہ جاہ طلبی خانقاہوں میں ہو۔

ولایت و کرامت

(۷) فرقہ حکیمیہ: یہ گروہ حضرت ابو عبداللہ بن علی الحکیم الترمذی کی جانب منسوب ہے، اس فرقہ کا مسلک ہے کہ ولی اللہ خدا کا برگزیدہ بندہ ہوتا ہے، جو نفس کی حرص آواز سے پاک ہو کر اسرار الٰہی سے واقف ہوتا ہے، اور اس سے کرامت ظاہر ہو سکتی ہے، اس سلسلہ میں حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے ولی کی ولایت اور کرامت پر مفصل بحث کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کچھ بندوں کو اپنا دوست بناتا ہے، ان کی صفات یہ ہیں کہ دنیاوی مال و دولت سے بے نیاز ہو کر وہ صرف ذات خداوندی سے محبت کرتے ہیں، جب دوسرے لوگ ڈرتے ہیں تو وہ نہیں ڈرتے اور جب دوسرے غمزدہ ہوتے ہیں، تو وہ نہیں ہوتے، اور جب ایسے لوگ دنیا میں باقی نہ رہیں گے تو قیامت آ جائے گی، معتزلہ کا اعتراض ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام بندے اس کے دوست ہیں، کوئی بندہ خاص اور برگزیدہ نہیں ہوتا، اللہ کا خاص بندہ صرف نبی ہوتا ہے، حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر زمانہ میں اپنے بندوں میں سے کسی ایک کو خاص بناتا ہے، تاکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے رسول کی رسالت کی دلیل روشن اور واضح ہوتی رہے، فرقہ حشوی خاص بندوں کا ہونا جائز سمجھتا ہے، مگر اس کا خیال ہے کہ ایسے بندے تھے ضرور مگر اب نہیں ہیں، لیکن حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایسے بندے

زمانہ میں ہوتے ہیں اور ان کی قسمیں بتائی ہیں۔ (۱) اخیار (۲) ابدال (۳) ابرار (۴) اوتاد (۵) نقباء (۶) قطب یا غوث۔

ایک گروہ کا اعتراض ہے کہ ولی اپنی ولایت کے باعث عاقبت سے بے خوف اور دنیا پر مغرور ہو سکتا ہے، لیکن حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے بہت سے اقوال سے ثابت کیا ہے کہ ولی وہ ہے جو اپنے حال میں فانی اور مشاہدۂ حق میں باقی ہو، اسے اپنے وجود کی خبر نہ ہو اور نہ اس کو اللہ کے سوا غیر کے ساتھ قرار ہو، وہ مشہور ہوتا ہے لیکن شہرت سے پرہیز کرتا ہے، کیونکہ شہرت باعث فساد و رعونت ہے۔

جب ولی اپنی ولایت میں صادق ہوتا ہے تو اس سے کرامت ظاہر ہوتی ہے، کرامت ولی کا خاصہ ہے، کرامت نہ عقل کی نزدیک محال ہے، نہ اصول شریعت کے خلاف ہے کرامت محض "مقدر خداوندی" ہے، یعنی اس کا ظہور کسب سے نہیں بلکہ خدا کی بخششوں سے ہوتا ہے۔

اس کے بعد یہ بحث ہے کہ کرامت کا ظہور کب ہوتا ہے، ابو یزید، ذوالنون مصری اور محمد بن خفیف رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ کا خیال ہے کہ اس کا ظہور سکر کے حال میں ہوتا ہے، اور جو صحو کے حال میں ہو، وہ نبی کا معجزہ ہے، ولی جب تک بشریت کے حال میں رہتا ہے، وہ محجوب رہتا ہے، اور جب خدا کے الطاف و اکرام کی حقیقت میں مدہوش ہو جاتا ہے، تو اس حال میں (جو سکر ہے) کرامت ظاہر ہوتی ہے اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب ولی کے نزدیک پتھر اور سونا دونوں برابر ہو جاتے ہیں۔

حضرت جنید اور ابو العباس رحمۃ اللہ علیہم سیاری وغیرہ کا مسلک ہے کہ کرامت سکر میں نہیں بلکہ صحو اور تمکین میں ظاہر ہوتی ہے، ولی خدا کے ملک کا مدبر، واقف کار اور والی ہوتا ہے اور اس سے ملک کی گتھیاں سلجھتی ہیں، اسی لیے اس کی رائے سب سے زیادہ صائب اور اس کا دل سب سے زیادہ شفیق ہوتا ہے، مگر یہ مرتبہ تلوین اور سکر میں حاصل نہیں ہوتا، کیونکہ تلوین اور سکر ابتدائی مدارج ہیں اور جب یہ آخری منازل تمکین اور صحو میں منتقل ہو جاتے ہیں، تو ولی برحق ہوتا ہے اور اس کی کرامت صحیح ہوتی ہے۔

اس بحث کے بعد اولیاء اللہ کی کرامتوں کا بیان ہے، پھر دو فصلوں میں بتایا گیا ہے کہ انبیاء اولیاء سے افضل تر ہیں، اولیاء فرشتوں پر فضیلت رکھتے ہیں۔

فنا و بقا

(۸) فرقہ خرازی: یہ فرقہ حضرت ابو سعید خراز رحمۃ اللہ علیہ کی جانب منسوب ہے، جنہوں نے سب سے پہلے مقام فنا اور بقا سے بحث کی ہے، اس لیے اس فصل میں حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے صرف فنا اور بقا پر روشنی ڈالی ہے۔

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ فنا سے مراد اپنی ذات اور وجود کا مٹا دینا اور بقا سے مراد خدا سے متحد ہو کر اس میں حلول کر جانا ہے، لیکن حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے ان دونوں کی تردید کی ہے، ان کے نزدیک ذات اور وجود کا نیست ہو کر خدا میں حلول کرنا محال ہے، کیونکہ حادث قدیم سے، مصنوع صانع سے، مخلوق خالق سے متحد اور ممتزج نہیں ہو سکتا، حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فنا سے مراد شہوات و لذات کو ترک کر کے خصائص بشریت سے اس طرح علیحدہ [illegible] کہ پھر محبت و عداوت، قرب و بعد، وصل و فراق اور صحو و سکر میں کوئی تمیز باقی نہ [illegible] جب یہ مقصود حاصل ہو جائے تو یہی بقا ہے، اس کو مختصر الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ انسانیت کے تعلقات سے کنارہ کش ہونے کا نام فنا ہے اور اخلاص و عبودیت کا نام بقا ہے، یا علائق دنیوی سے علیحدہ ہونا فنا ہے اور خدا کا جلال دیکھنا بقا ہے، اس غلبۂ حال سے یہ کیفیت ہوتی ہے کہ سالک دین و دنیا کو فراموش کر دیتا ہے، حال و مقام سے بے نیاز ہو جاتا ہے اور اس کی زبان حق تعالیٰ سے ناطق ہو جاتی ہے۔

غیبت و حضور

(۹) فرقہ خفیفی: یہ فرقہ حضرت ابو عبداللہ بن خفیف رحمۃ اللہ علیہ کی جانب منسوب ہے، اس کا مذہب تصوف "غیبت حضور" ہے۔

غیبت سے مراد دل کا اپنے وجود سے غائب رہنا اور حضور سے مراد اس کا خدا کے ساتھ رہنا ہے، اپنے سے غیبت حق سے حضور ہے، یعنی جو شخص اپنے سے غائب ہے، وہ خدائے تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہے، ایک سالک کے اپنے سے غائب ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنی ہستی کے وجود کی آفتوں سے دور ہو، اس کی صفات بشری ختم ہو گئی ہوں اور اس کے تمام ارادے پاک ہوں۔

اس سلسلہ میں صوفیہ کرام نے یہ بحث کی ہے کہ غیبت حضور پر مقدم ہے، یا حضور

غیبت پر ایک گروہ کہتا ہے غیبت سے حضوری حاصل ہوتی ہے، دوسرا کہتا ہے کہ حضوری سے غیبت حاصل ہوتی ہے، حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے کہ دونوں برابر ہیں، کیونکہ غیبت سے مراد حضور ہے، جو اپنے سے غائب نہیں ہے، وہ حق سے حاضر نہیں ہے، اور جو حاضر ہے، وہ غائب ہے، یہ نکتہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے حال سے واضح ہو جاتا ہے، انہوں نے فرمایا کہ مجھ پر کچھ زمانہ ایسا گزرا ہے کہ آسمان اور زمین میرے حال پر روتے تھے، پھر خدا نے ایسا کر دیا کہ میں ان کی غیبت پر روتا تھا، اور اب یہ زمانہ ہے کہ مجھ کو نہ آسمان کی خبر ہے، نہ زمین کی اور نہ خود اپنی۔

جمع و تفرقہ

(۱۰) فرقۂ سیاریہ: یہ فرقہ ابوعباس سیاری رحمۃ اللہ علیہ کی جانب منسوب ہے، جو مرو کے امام تھے، ان کی بحث جمع و تفرقہ پر ہے، حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر یہ روشنی ڈالی ہے کہ ارباب علم کے نزدیک جمع توحید کا علم اور تفرقہ احکام کا علم ہے، مگر اصحاب تصوف کے نزدیک تفرقہ سے مکاسب اور جمع سے مواہب مراد ہیں، جب سالک خدا کے راستہ میں مجاہدہ کرتا ہے تو وہ تفرقہ میں ہے اور جب خدا کی عنایت اور مہربانی سے سرفراز ہوتا ہے تو یہ جمع ہے جمع میں بندہ کچھ سنتا ہے تو خدا سے، کچھ دیکھتا ہے تو خدا کو، کچھ لیتا ہے تو خدا سے اور کچھ کہتا ہے تو خدا سے، پس بندہ کی عزت اس میں ہے کہ وہ اپنے فعل کے وجود اور مجاہدہ کو خدا کی نوازشوں میں مستغرق پائے اور مجاہدہ کو ہدایت کے پہلو میں مخفی کر دے، کیونکہ جب ہدایت غالب ہوتی ہے، تو کسب اور مجاہدہ بے کار ہیں، چنانچہ فرقہ سیاریہ کا مسلک ہے کہ تفرقہ اور جمع اجتماع ضدین ہیں، جمع کا اظہار تفرقہ کی نفی پر ہے، لیکن حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تردید کی ہے، اور دلیل یہ پیش کی ہے کہ جس طرح آفتاب سے نور، جوہر سے عرض اور موصوف سے صفت جدا نہیں ہو سکتی ہے، اسی طرح شریعت حقیقت سے اور مجاہدہ ہدایت سے علیحدہ نہیں ہو سکتا، ممکن ہے کہ مجاہدہ کبھی مقدم ہو اور کبھی موخر، مقدم کی حالت میں مشقت زیادہ ہوتی ہے، اس وجہ سے کہ وہ غیبت کی حالت میں ہوتا ہے اور جب مجاہدہ موخر ہوتا ہے تو رنج و کلفت نہیں ہوتی، کیونکہ یہ حالت حضوری میں ہوتا ہے، حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں کو لازم و ملزوم اس لیے قرار دیا ہے کہ ان کا خیال ہے کہ خدا کا

قرب ہدایت سے حاصل ہوتا ہے نہ کہ کوشش سے۔

اس کے بعد حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے جمع کی دو قسمیں بتائی ہیں (۱) جمع سلامت و (۲) جمع تکسیر، جمع سلامت میں بندہ مغلوب الحال رہتا ہے، لیکن خداوند تعالیٰ اس کا محافظ ہوتا ہے اور اپنے حکم کی تعمیل کرانے میں نگاہ رکھتا ہے مثلاً حضرت ابو یزید بسطامی، ابوبکر شبلی اور ابوالحسن حصری رحمۃ اللہ علیہم ہمیشہ مغلوب الحال رہتے تھے، لیکن نماز کے وقت اپنے حال میں لوٹ جاتے تھے، اور جب نماز پڑھ چکتے تھے تو پھر مغلوب الحال ہو جاتے تھے۔

جمع تکسیر میں بندہ خداوند تعالیٰ کے حکم سے بیہوش ہو جاتا ہے، اور اس کی حالت مجنوں کی سی ہوتی ہے، اسی لیے یہ معذور اور اول الذکر مشکور کہلاتے ہیں، حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے مشکور بندوں کو زیادہ فوقیت دی ہے۔

حلول، روح

(۱۱) گیارہواں فرقہ حلولیہ ہے، جو ابوحلمان دمشقی کی طرف منسوب ہے، بارہویں فرقہ کا نام نہیں لیا ہے، مگر اس سلسلہ کے بانی کا نام فارس (یعنی فارس بن عیسیٰ بغدادی) بتایا ہے۔

حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے فرقہ حلولیہ کو زندیق اور کافر کہا ہے، خدائے تعالیٰ میں بندہ کی روح کا حلول کرنا محال ہے، کیونکہ روح حادث ہے، قدیم نہیں، اس کو خدا کی صفت بھی کہہ سکتے ہیں، خالق اور مخلوق کی صفت یکساں نہیں ہو سکتی، پھر قدیم و حادث اور خالق و مخلوق کی صفت کیونکر ایک دوسرے میں حلول کر سکتی ہے، روح محض ایک جسم لطیف ہے، جو خدا کے حکم سے قائم ہے اور اسی کے حکم سے آتی جاتی ہے، اس لیے حلولیہ کا مسلک توحید اور دین کے خلاف ہے، جو کسی طرح تصوف نہیں کہا جا سکتا ہے۔

گزشتہ صفحات میں حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے تصوف پر نظری اور تاریخی حیثیت سے بحث کی ہے، جس سے اس کی اصل تاریخ اور اس کے مختلف فرقوں اور گروہوں کے عقائد کا اندازہ ہوتا ہے، لیکن آئندہ ابواب میں تصوف کے عملی مسائل پر مباحث ہیں اور راہ سلوک میں بارہ حجاب یعنی پردے بتائے ہیں، ان میں سے ہر ایک کی علیحدہ علیحدہ تشریح اور توضیح ہے، معرفت پہلا پردہ خدا کی معرفت کا ہے، معتزلہ کہتے ہیں کہ معرفت علم اور عقل سے ہوتی ہے، مگر حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تردید کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ اگر معرفت

علم اور عقل سے ہوتی ہے تو ہر عالم اور عاقل عارف ہوتا ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے، حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے کہ معرفت اسی بندہ کو حاصل ہوتی ہے، جس پر خداوند تعالیٰ کی عنایت ہو، وہی دل کو کھولتا ہے اور بند کرتا ہے، کشادہ کرتا ہے اور مہر لگاتا ہے، عقل اور دلیل معرفت کا ذریعہ ہو سکتی ہے مگر علت نہیں، علت صرف اس کی عنایت ہے چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ خدا کو میں نے خدا ہی سے پہچانا اور خدا کے سوا کو اس کے نور سے پہچانا۔

معرفت کیا ہے؟ اس پر حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے صوفیۂ کرام کے اقوال کی روشنی میں بحث کی ہے، حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ معرفت یہ ہے کہ کسی چیز پر تعجب نہ ہو، کیونکہ تعجب اس فعل سے ہوتا ہے، جو مقدور سے زیادہ ہو، لیکن خدائے تعالیٰ ہر کمال پر قادر ہے، پھر عارف کو اس کے افعال پر تعجب کیوں ہو، حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ معرفت کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ پیہم لطائف کے انوار سے بندہ کو اپنے اسرار سے آگاہ یعنی اس کے دل کو روشن اور آنکھ کو بینا کر کے اس کو تمام آفتوں سے محفوظ رکھے، اس کے دل میں خدا کے سوا موجودات اور مثبات کا ذرہ برابر وزن قائم ہونے نہ دے، جس کے بعد بندہ ظاہری و باطنی اسرار کا مشاہدہ کرتا رہتا ہے، شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ معرفت حیرت دوام کا نام ہے، حیرت دو طرح پر ہوتی ہے، ایک ہستی میں، دوسرے چگونگی میں ہستی میں حیرت کا ہونا شرک اور کفر ہے اور چگونگی میں معرفت، کیونکہ خدا کی ہستی میں شک نہیں کیا جا سکتا مگر اس کی ہستی کی چگونگی سے یقین کامل پیدا ہوتا ہے، اور پھر حیرت، حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ معرفت یہ ہے کہ بندہ کو یہ معلوم ہو جائے کہ مخلوق کی تمام حرکات و سکنات خدا کی طرف سے ہیں، کسی کو خدا کے اذن کے بغیر اس کے ملک میں تصرف نہیں ہے، اور ہر چیز کی ذات اس کی ذات سے ہے، ہر چیز کا اثر اس کے اثر سے ہے، ہر شے کی صفت اس کی صفت سے ہے، متحرک اس سے متحرک ہے اور ساکن اس سے ساکن ہے، بندہ کا فعل محض مجازاً ہے، ورنہ درحقیقت وہ فعل خداوند عالم کا ہے۔

توحید

دوسرا پردہ توحید کا ہے، توحید تین طرح پر ہوتی ہے یعنی (۱) خداوند تعالیٰ کو خود بھی اپنی وحدانیت کا علم ہے (۲) خداوند تعالیٰ بندوں کو اپنی وحدانیت تسلیم کرنے کا حکم دیتا ہے،

(۳) بندوں کو خداوند تعالیٰ کی وحدانیت کا علم ہوتا ہے، اور جب سالک کو یہ علم بدرجۂ اتم حاصل ہو جاتا ہے تو وہ محسوس کرتا ہے کہ خداوند تعالیٰ ایک ہے، جو فصل و وصل کو قبول نہیں کرتا، وہ قدیم ہے اس لیے حادث نہیں، وہ محدود نہیں جس کے لیے طرفین ہوں، وہ مکین نہیں، جس کے لیے مکان ہو، وہ عرض نہیں جس کے لیے جوہر ہو، وہ کوئی طبع نہیں کہ جس میں حرکت و سکون ہو، وہ کوئی روح نہیں کہ جو اس کے لیے بدن ہو، وہ کوئی جسم نہیں کہ اس کے لیے اجزا ہوں، وہ قوت اور حال نہیں کہ اور چیزوں کی جنس ہو، وہ کسی چیز سے نہیں کہ کوئی چیز اس کا جزو ہو، اس کی ذات و صفات میں کوئی تغیر نہیں، وہ زندہ رہنے والا ہے، وہ جاننے والا ہے، سننے والا ہے، دیکھنے والا ہے، کلام کرنے والا ہے اور باقی رہنے والا ہے، وہ جو کچھ چاہتا ہے وہی کرتا ہے اور وہی چاہتا ہے جو جانتا ہے، اس کا حکم اس کی مشیت سے ہے اور بندوں کو اس کے بجالانے کے سوا کوئی چارہ نہیں، وہی نفع اور نقصان کا باعث ہے، وہی نیکی اور بدی کا اندازہ کرنے والا ہے۔

ایمان

تیسرا پردہ ایمان کا ہے، اس میں یہ بحث ہے کہ ایمان کی علت کیا ہے، معرفت یا طاعت، ایک گروہ کا اعتقاد یہ ہے کہ عذاب الٰہی سے محفوظ رہنے کی علت معرفت ہے نہ کہ طاعت اگرچہ طاعت بھی موجود ہے۔ جب تک معرفت نہ ہو طاعت فائدہ نہیں پہنچاتی۔ لیکن جب معرفت موجود ہو اگرچہ طاعت موجود نہ ہو نتیجہ میں وہ نجات پا جائے گا۔ اگرچہ یہ بات مسلم ہے کہ نجات کا حکم تحت مشیت الٰہی ہے کہ اگر وہ چاہے تو وہ اپنے فضل سے درگزر فرمائے یا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے بخش دے یا چاہے تو اس کے جرم کے مطابق سزا دے اور دوزخ میں بھیج دے اس کے بعد بندے کو جنت میں منتقل کر دیا جائے۔ لہٰذا اصحاب معرفت اگرچہ مجرم ہوں بحکم معرفت وہ ہمیشہ دوزخ میں نہ رہیں گے اور صرف اہل عمل جو بے معرفت ہیں، جنت میں نہیں آئیں گے اس سے معلوم ہوا کہ طاعت محفوظ رہے گی علت نہیں ہو سکتی۔ ان کے نزدیک معرفت شوق اور محبت کا نام ہے اور شوق اور محبت کی علامت طاعت ہے شوق اور محبت جس قدر زیادہ ہوتی جائے گی، اسی قدر فرمان الٰہی کی تعظیم بڑھتی جائے گی، یہ کہنا غلط ہے کہ طاعت کی ضرورت اسی وقت تک ہے جب تک خداوند تعالیٰ کی معرفت حاصل

نہ ہو اور حصولِ معرفت کے بعد دل شوق کا محل بن گیا اور جسمانی طاعت کی تکلیف اُٹھ گئی، بلکہ صحیح یہ ہے کہ جب قلب خدا کی دوستی کا محل، آنکھیں اس کے دیدار کا محل، جان عبرت کا محل اور دل مشاہدہ کا مقام ہو گیا تو پھر تن کو اس کی طاعت ترک نہ کرنی چاہیے۔

طہارت

چوتھا پردہ طہارت کا ہے، حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایمان کے بعد طہارت فرض ہے، اس کی دو قسمیں ہیں (۱) طہارت ظاہر (۲) طہارت باطن، طہارت ظاہر سے مراد بدن کا پاک ہونا ہے، جس کے بغیر نماز درست نہیں، اور طہارت باطن سے مراد دل کا پاک ہونا ہے۔ جس کے بغیر معرفت حاصل نہیں ہو سکتی، باطن کی طہارت خدا کی بارگاہ میں توبہ سے ہوتی ہے، جو سالک کا پہلا مقام ہے توبہ کے معنی ہیں خداوند تعالیٰ کے خوف سے اس کے نواہی سے باز رہنا، توبہ کے لیے تین شرطیں ہیں (۱) خدا کے حکم کی مخالفت پر تاسف ہو (۲) یہ مخالفت فوراً ترک کر دی گئی ہو (۳) اس کی طرف لوٹنے کا خیال نہ ہو، یہ شرطیں اسی وقت ممکن ہیں، جب ندامت ہو، اس ندامت کے لیے بھی تین شرطیں ہیں، (۱) عقوبت کا خوف ہو (۲) یہ خیال ہو کہ بُرے کاموں کا حاصل کچھ بھی نہیں (۳) نافرمانیوں سے پشیمانی ہو کہ خدا سب کچھ دیکھتا ہے۔

ندامت سے توبہ کرنے والوں کی بھی تین قسمیں ہیں۔

(۱) عذاب کے ڈر سے، اس توبہ کو کہتے ہیں، جو عام بندے کیا کرتے ہیں۔

(۲) ثواب کی خواہش سے، یہ انابت ہے، جو اولیاء اللہ کے لیے مخصوص ہے۔

(۳) حصولِ عرفان کے لیے یہ اذابت ہے، جو انبیاء مرسلین کے لیے ہے۔

آگے چل کر توبہ کی بھی تین قسمیں بتائی گئی ہیں۔

(۱) خطاب سے ثواب کی جانب ہو، یعنی گناہ کرنے والا بخشش کا خواستگار ہو یہ توبہ عام ہے۔

(۲) صواب سے صواب کی طرف ہو، یہ اہل ہمت اور خاص لوگوں کی توبہ ہے۔

(۳) خودی سے حق تعالیٰ کی طرف ہو، یہ محبت کی دلیل ہے۔

نماز

پانچواں حجاب نماز کا ہے، اس میں حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے صوفیانہ رنگ میں بتانے کی کوشش کی ہے، کہ نماز بندوں کو خدا کے راستہ پر پہنچاتی ہے، اور ان پر اس راہ کے تمام مقامات کھل جاتے ہیں، وضو یعنی جسم کی طہارت توبہ (یعنی باطن کی طہارت) ہے، قبلہ رو ہونا، مرشد سے تعلق پیدا کرنا ہے، قیام نفس کا مجاہدہ ہے، قرأت ذکر ہے، رکوع تواضع ہے، سجدہ نفس کی معرفت ہے، تشہد انس یعنی محبت کا مقام ہے، اور سلام دنیا سے تنہا ہو کر مقامات سے باہر آتا ہے۔

نماز کے سلسلہ میں بہت سی بحثیں ہیں، مثلاً صوفیہ کا ایک گروہ نماز کو حضور کا ذریعہ (آلہ) اور دوسرا غیبت کا محل سمجھتا ہے، لیکن حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں کی تردید کی ہے، ان کے دلائل یہ ہیں کہ اگر نماز حضور کی علت ہوتی تو نماز کے سوا حضور نہ ہوتی، اور اگر غیبت کی علت ہوتی تو غائب نماز کو ترک کرنے سے حاضر ہوتا، چنانچہ حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نماز محض اپنی ذات کا ایک غلبہ ہے، جس کا تعلق غیبت اور حضور سے نہیں۔

ایک بحث یہ بھی ہے کہ نماز سے تفرقہ ہوتا ہے، یا جمع، جن کو نماز میں تفرقہ ہوتا ہے، وہ فرض اور سنت کے سوا نمازیں بہت کم پڑھتے ہیں اور جن کو جمع کی کیفیت حاصل ہوتی ہے، وہ رات دن نمازیں پڑھا کرتے ہیں، شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نماز پڑھنے والوں کے لیے نفس کا فنا کرنا ضروری ہے، مگر اس کے لیے ہمت کو جمع کرنے کی ضرورت ہے، اور جب ہمت جمع ہو جاتی ہے، تو نفس کا غلبہ ختم ہو جاتا ہے، کیونکہ نفس کی حکومت تفرقہ سے قائم رہتی ہے، تفرقہ عبادت کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا۔

حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی رائے میں اصلی نماز یہ ہے کہ جسم عالم ناسوت میں ہو اور روح عالم ملکوت میں، صوفیائے کرام نے ایسی نمازیں پڑھی ہیں، حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جب میں نماز پڑھتا ہوں تو بہشت کو اپنی سیدھی جانب اور دوزخ کو پشت کی جانب دیکھتا ہوں، حضرت ابوالخیر اقطع رحمۃ اللہ علیہ کے پاؤں میں آکلہ ہو گیا تھا، اطباء نے پاؤں کاٹنا چاہا، مگر وہ راضی نہ ہوئے، ایک روز نماز سے فارغ ہوئے تو پاؤں کو کٹا ہوا پایا، ایک بی بی کو نماز میں بچھو نے چالیس بار ڈنگ مارا، مگر ان کی حالت میں

کسی قسم کا تغیر نہ ہوا، وہ نماز سے فارغ ہوئیں تو ان سے پوچھا گیا کہ بچھو کو کیوں نہیں اپنے سے دور کیا، بولیں، خدا کے کام کے درمیان اپنا کام کیسے کرتی، مردوں کے لیے نماز باجماعت کی تاکید ہر حال میں کی ہے، چنانچہ انہوں نے خود چالیس برس کی مسلسل سیاحت میں ہر وقت کی نماز جماعت سے ادا کی ہے اور جمعہ کی نماز کسی قصبہ میں پڑھی جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا۔

زکوٰۃ

چھٹا حجاب زکوٰۃ ہے، جو ایمان کا جز ہے، اس سے روگردانی جائز نہیں، سالک کو زکوٰۃ میں نہ صرف سخی، بلکہ جواد ہونا چاہئے، سخی سخاوت کے وقت اچھے اور برے مال میں اور اس کی زیادتی اور کمی میں تمیز کرتا ہے، مگر جواد کے ہاں اس قسم کا فرق و امتیاز نہیں ہوتا۔

اس موقع پر ایک سوال یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ صوفی کے فقر میں زکوٰۃ کی گنجائش کہاں؟ مگر حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک زکوٰۃ صرف مال ہی کی نہیں، ہر شے کی ہوتی ہے، زکوٰۃ کی حقیقت نعمت کی شکر گزاری ہے، تندرستی ایک نعمت ہے، جس کے لیے زکوٰۃ لازم ہے، اس کی زکوٰۃ سب اعضا کو عبادت میں مشغول رکھنا ہے، باطن بھی ایک نعمت ہے، اس کی زکوٰۃ عرفان حاصل کرنا ہے۔

روزہ

ساتواں حجاب روزہ ہے حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک روزہ سے مراد حواس خمسہ کو اس طرح مقید کرنا ہے کہ نفس و ہوا کا گزر نہ ہو، بھوک سے بحث کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس سے نفس میں فتادگی اور دل میں عاجزی پیدا ہوتی ہے، اگرچہ بھوک سے جسم بلا میں مبتلا ہوتا ہے، لیکن دل کی روشنی، جان کی صفائی اور سر کو بقا حاصل ہوتی ہے، حضرت ابو العباس قصاب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جب میں کھاتا ہوں تو اپنے میں گناہوں کا مادہ پاتا ہوں اور جب کھانے سے ہاتھ اٹھا لیتا ہوں تو سب طاعتوں کی اصل پاتا ہوں، حضرت عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ پندرہ روز میں ایک دفعہ کھانا کھاتے تھے اور جب ماہ رمضان المبارک شروع ہوتا تھا تو معمولی افطار کے سوا عید تک وہ کچھ نہیں تناول فرماتے تھے، حضرت ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ بھی رمضان المبارک میں کوئی چیز نہیں کھاتے تھے،

حالانکہ سخت گرمی کا موسم ہوتا تھا، روزانہ گیہوں کاٹنے کے کام پر جایا کرتے تھے اور جو کچھ مزدوری ملتی تھی، اس کو فقراء و مساکین کو دے دیا کرتے تھے۔

حج

آٹھواں حجاب حج کا ہے، حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حج کے لیے ایک صوفی کا نکلنا، گناہوں سے توبہ کرنا ہے، کپڑے اتار کر احرام باندھنا انسانی عادتوں سے علیحدہ ہونا ہے، عرفات میں قیام کرنا، مشاہدہ کا کشف حاصل کرنا، مزدلفہ جانا نفسانی مرادوں کو ترک کرنا ہے، خانہ کعبہ کا طواف کرنا خدائے تعالیٰ کے جمال باکمال کو دیکھنا ہے، صفا اور مروہ میں دوڑنا دل کی صفائی اور اس میں مروت حاصل کرنا ہے، منیٰ میں آنا آرزوؤں کو ساقط کرنا ہے، قربانی کرنا گویا نفسانی خواہشوں کا ذبح کرنا ہے اور کنکریاں پھینکنا برے ساتھیوں کو دور کرنا ہے، جس صوفی کو حج میں یہ کیفیات حاصل نہیں ہوئیں، اس نے گویا حج نہیں کیا۔

مشاہدہ

حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے حج کو مقام مشاہدہ قرار دیا ہے، اس لیے اس بات میں مشاہدہ پر بحث کی ہے، حضرت ابو العباس رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مشاہدہ یقین کی صحت اور محبت کا غلبہ ہے، یعنی جب خداوند تعالیٰ کی محبت کا غلبہ اس درجہ پر ہو کہ اس کی کلیت اس کی حدیث ہو جائے، تو پھر اللہ کے سوا کوئی اور چیز دکھائی نہیں دیتی، حضرت شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے جس چیز کی طرف دیکھا، خداوند عالم کے لیے دیکھا، یعنی اس کی محبت کا غلبہ اور اس کی قدرت کا مشاہدہ کیا، ان دونوں اقوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ مشاہدہ میں ایک گروہ فاعل کو دوسرا فاعل کے فعل کو دیکھتا ہے، حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مشاہدہ دل کا دیدار ہے، دل پرتو انوار الٰہی ہے اس لیے ظاہر اور باطن میں حق تعالیٰ کا دیدار کرتا ہے اور یہ دیدار کیفیت ہے، جو ذکر و فکر میں حاصل ہوتی ہے۔

آداب سالک

اس کے بعد مختلف ابواب میں حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے سالک کے طریق و آداب پر بحث کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ (۱) سالک ہر حال میں حق کے احکام کا اتباع کرتا ہو (۲) بندوں کا حق بھی ادا کرتا ہو (۳) اس کے لیے کسی شیخ کی صحبت ضروری ہے،

کیونکہ تنہائی اس کے لیے آفت ہے (۴) جب کوئی درویش اس کے پاس آئے تو عزت کے ساتھ استقبال کرے (۵) سفر کرے تو خدا کے واسطے کرے، یعنی اس کا سفر حج یا غزوہ یا علم یا کسی شیخ کی تربت کی زیارت کے لیے ہو (۶) اس کا کھانا اور پینا بیماروں کے کھانے اور پینے کے مانند ہو اور حلال ہو، وہ دنیاداری کی دعوت قبول نہ کرے (۷) چلے تو خاکساری اور تواضع سے چلے، رعونت اور تکبر اختیار نہ کرے (۸) اسی وقت سوئے جب نیند کا غلبہ ہو (۰) خاموش رہے، کیونکہ خاموشی گفتار سے بہتر ہے، لیکن گفتار کے ساتھ حق ہو تو وہ خاموشی سے بہتر ہے (۱۰) کسی چیز کی طلب کرے تو خدا سے کرے (۱۱) تجرد کی زندگی سنت کے خلاف ہے، اس کے علاوہ تجرد میں نفسانی خواہشات کا غلبہ رہتا ہے، لیکن اگر سالک خلق سے دور رہنا چاہتا ہے تو مجرد رہنا اس کے لیے زینت ہے۔

سماع

آخر میں سماع پر بحث ہے، حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سماع مباح ہے مگر اس کے لیے حسب ذیل شرطیں ہیں، سالک سماع بلا ضرورت نہ سنے اور طویل وقفہ کے بعد سے، تاکہ اس کی تعظیم دل میں قائم رہے، محفل سماع میں مرشد موجود ہو، عوام شریک نہ ہوں، قوال فاسق نہ ہوں، سماع کے وقت دل دنیاوی علائق سے خالی ہو، طبیعت لہو ولعب کی طرف مائل نہ ہو، اگر وجد کی کیفیت طاری ہو جائے تو اس کو تکلف کے ساتھ نہ روکے، اور یہ کیفیت جاری رہے تو تکلف کے ساتھ اس کو جذب کرنے کی کوشش نہ کرے، وجد کے وقت کسی سے مساعدت کی امید نہ رکھے، اور کوئی مساعدت کرے تو اس کو نہ روکے، قوال کے گانے کی اچھائی اور برائی کا اظہار نہ کرے، محفل سماع میں لڑکے نہ ہوں، حضرت شیخ ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے سماع کے وقت رقص کو کسی حال میں بھی پسند نہیں کیا ہے، بلکہ اس کو حرام اور ناجائز قرار دیا ہے۔ (کہا جاتا ہے کہ کشف المحجوب کے ضمیمہ کے طور پر حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رسالہ کشف الاسرار کے نام سے بھی لکھا تھا)

ایصال ثواب برائے

اُمت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم

اور

شہداء امت اور ہمارے آباؤ اجداد جو جنگ آزادی 1857ء

انگریزوں کے ہاتھوں اہل خاندان جو 1947ء

میں ہندو اور سکھوں کے ہاتھوں شہید ہوئے

دعاگو

رائے فقیر محمد

نقشبندی، بریلوی، سہروردی، قادری، چشتی

فاضل فارسی، بی اے اسلامیات، ایم کام، فیلو چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ

مفت ملنے کا پتا

رائے ہاؤس نمبر 1-B-14-4

کالج روڈ محمد علی چوک ٹاؤن شپ لاہور